قرآن مجید کے علومِ پنجگانہ

○ مقتبس از "الفوز الکبیر فی اصول التفسیر"، مصنفہ حضرت شاہ ولی اللہؒ ○

[یہ اقتباسات حضرت شاہ صاحب کے اس رسالے کے اردو ترجمہ سے لئے گئے ہیں جس کا ترجمہ مولوی رشید احمد صاحب انصاری مرحوم نے کیا تھا۔ اور اسے مکتبۂ برہان دہلی نے شائع کیا ہے ——— (مدیر)]

جاننا چاہیئے کہ معانی جو قرآن مجید سے مفہوم ہوتے ہیں، وہ پانچ علموں سے باہر نہیں ہیں:۔

اول:۔ علم احکام از قسم واجب، مستحب، مکروہ اور حرام۔ یہ احکام خواہ عبادات میں سے ہوں یا معاملات میں سے۔ تدبیر منزل سے متعلق ہوں یا سیاستِ مدن سے۔ اس علم کی تفصیل فقہاء کے ذمہ ہے۔

دوم:۔ علم مناظرہ۔ چاروں گمراہ فرقوں کے ساتھ مثلاً یہود، نصاریٰ، مشرکین اور منافقین۔ اس علم کی تفریع متکلمین کا کام ہے۔

سوم:۔ علم تذکیر بآلاء اللہ۔ مثلاً زمین و آسمان کے پیدا کرنے اور بندوں کو ان کی ضروریات کا الہام کرنے نیز خداوند تعالیٰ کی صفاتِ کاملہ کا بیان۔

چہارم:۔ علم تذکیر بایام اللہ۔ یعنی اُن واقعات کا بیان جن کو خداوند تعالیٰ نے ایجاد فرمایا ہے۔ مثلاً اطاعت کرنے والوں کو انعام و جزا اور مجرموں کے لئے تعذیب و سزا۔

پنجم:۔ علم تذکیر موت اور اُس کے بعد کے واقعات کا بیان۔ مثلاً حشر و نشر، حساب، میزان، دوزخ جنت۔ ان علوم کی تفاصیل کو محفوظ رکھنا اور اُن کے مناسب احادیث اور آثار ملحق کرنا واعظوں اور مذکروں کا کام ہے۔

قرآن مجید میں ان علوم کا بیان قدیم عربوں کی روش پر ہوا ہے۔ متاخرین کا اسلوب اختیار نہیں کیا گیا.........

قرآن مجید میں چاروں گمراہ فرقوں سے مباحثات ہوئے ہیں۔ یعنی مشرکین، یہودی، نصاریٰ اور منافقین۔

یہ مباحثے دو طرح واقع ہوئے ہیں۔ ایک تو یہ کہ فقط باطل عقیدہ کو بیان کرکے اور اُس کی قباحت کو ظاہر فرما کر اُس سے نفرت ظاہر کرتے ہیں۔ دوسرے یہ کہ گمراہوں کے شبہات کو بیان کرکے اُن کو ادلۂ قطعیہ یا خطابیات سے حل کرتے ہیں۔ مشرکین اپنے آپ کو حنیف کہتے ہیں حنیف اُس کو کہتے ہیں، جو ملّتِ ابراہیمی کا پابند اور اُس کی علامات کو سختی کے ساتھ اختیار کرنے والا ہو۔

ملّتِ ابراہیمی کی علامات یہ ہیں۔ حج کعبہ، استقبالِ کعبہ، غسلِ جنابت، ختنہ اور باقی فطری خصائل۔ اشہر حرم کی حُرمت، مسجد حرام کی تعظیم، نسبی اور رضاعی محرمات کو حرام جاننا، عام جانوروں کا ذبح حلق میں اور اونٹ کا نحر لبّہ میں۔ اور ذبح اور نحر سے خدا تعالیٰ کی رضا جوئی خصوصاً حج کے زمانے میں۔

ملّتِ ابراہیمی میں وضو، نماز اور روزہ طلوعِ فجر سے لے کر غروبِ آفتاب تک اور یتیموں اور فقیروں کو صدقہ دینا، مشکلات میں اُن کی اعانت کرنا اور صلۂ رحم مشروع تھا۔ اور مشرکین کے ہاں ان اُمور کے کرنے والے کی مدح سرائی کی جاتی تھی۔ لیکن مشرکین نے عام طور پر ان اُمور کو ترک کر دیا تھا۔ اور ان میں یہ خصائل کان لم یکن ہو گئے تھے۔ اور قتل، چوری، زنا، ربا اور غصب کی حُرمت بھی اصل ملّتِ ابراہیمی میں ثابت تھی۔ اور ان افعال پر اُن کے ہاں کچھ نہ کچھ اظہار نفرت بھی جاری تھا۔ لیکن جمہور مشرکین ان کو کرتے اور نفسِ امّارہ کے اشاروں پر چلتے تھے۔

اور خدا تعالیٰ کے وجود کا عقیدہ اور اس بات کا کہ وہ آسمان اور زمین کا خالق ہے، اور زبردست حوادث کا مدبر اور رسولوں کے بھیجنے پر قادر اور بندوں کو اُن کے اعمال کی جزا دینے والا اور حوادث کو اُن کے وقوع سے پیشتر معین کرنے والا اور یہ کہ فرشتے خدا کے مقرب بندے اور تعظیم کے مستحق ہیں، اُن کے نزدیک ثابت تھا۔ چناں چہ اُن کے اشعار ان مضامین پر دلالت کرتے ہیں۔

مگر جمہور مشرکین نے ان عقائد میں بہت سے ایسے شبہات کو جو کہ ان اُمور کے استبعاد اور ادراک کی طرف رغبت نہ ہونے سے پیدا ہوئے تھے، بہم پہنچائے تھے، مشرکین کی گمراہی یہ تھی کہ وہ شرک اور تشبیہ اور تحریف کے قائل اور معاد کے منکر تھے اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی رسالت کو بعید از قیاس کہتے اور اعمالِ قبیحہ اور مظالم علانیہ کرتے اور نئے نئے فاسد رسوم ایجاد کرتے اور عبادات کو مٹاتے تھے ....

اس جماعت کو اگرچہ حضرت ابراہیم اور حضرت اسمٰعیل بلکہ حضرت موسیٰ علیہم السلام کی نبوت کا بھی اعتراف تھا، لیکن صفاتِ بشری (جو انبیاء میں) اُن کے جمال باکمال کے لئے حجاب ہیں، اُن کو مشوش کر دیتی تھیں۔ اور وہ اس تدبیرِ الٰہی کی حقیقت سے جو بعثتِ انبیاء کے لئے مقتضی ہے، ناآشنا رہ کر کارِ رسالت کو استبعاد کی نظر سے دیکھتے تھے۔ کیوں کہ یہ لوگ رسول کو مُرسِل یعنی اُس کے بھیجنے والے کے ساتھ مماثل جانتے تھے .... وہ کہتے تھے کہ جو شخص کھانے اور پینے کا محتاج ہو، وہ نبی کیسے ہو سکتا ہے۔ اور خدا تعالیٰ نے کیا وجہ فرشتہ کو رسول بنا کر نہ بھیجا اور کیا وجہ کہ ہر شخص پر الگ الگ وحی نہیں بھیجتا علیٰ ھذا القیاس۔ ایسے ہی اور شبہات۔

اگر تم کو مشرکین کے عقائد اور اعمال کے اس بیان کے صحیح تسلیم کرنے میں کچھ توقف ہو تو چاہیئے کہ اِس زمانے کے تحریف کرنے والوں کو علی الخصوص جو دار الاسلام کے نواح میں رہتے ہیں، دیکھو کہ انہوں نے ولایت کی نسبت کیا خیال باندھ رکھے ہیں۔ وہ لوگ باوجودیکہ اولیاء متقدمین کی ولایت کے معترف ہیں، مگر اس زمانے میں اولیاء کے وجود کو قطعاً محال شمار کرتے ہیں۔ اور قبروں اور آستانوں پر پھرتے ہیں اور طرح طرح کے شرک میں مبتلا ہیں اور یہ کہ تحریف اور تشبیہ نے کس قدر اُن میں رواج پکڑا ہے۔ حتیٰ کہ موافق حدیث صحیح " تستبعن سنن من قبلکم" ان آفات میں سے کوئی بھی نہ رہی، جس پر آج کوئی نہ کوئی جماعت کاربند اور اُس کے مانند دیگر اُمور کی معتقد نہ ہو ....

(مشرکین، بعثتِ انبیاء میں جو تدبیرِ الٰہی کارفرما ہے، اُس سے ناآشنا رہ کر رسالت کو استبعاد کی نظر سے دیکھتے تھے)

استبعادِ رسالت کا جواب انبیائے سابقین میں بھی ہو چکا ہے " وما ارسلنا من قبلک

الا رجالاً نوحی الیھم[۱]" و" یقول الذین کفروا لست مرسلا۔ قل کفی باللہ شھیداً بینی و بینکم ومن عندہ علم الکتاب[۲]"۔ اور دوسرے اُن کے استبعاد کو یہ کہہ کر رد کرنا کہ یہاں پر رسالت سے مراد فقط وحی ہے۔" قل انما انا بشر یوحیٰ الی[۳]"۔ اور وحی ایسی شے ہے جو محال نہیں ہے۔" وما کان لبشر ان یکلمہ اللہ[۴]۔ الخ۔ اور تیسرے یہ بیان کرنا کہ اُن معجزات کا ظاہر ہونا جن کی وہ ضد کرتے ہیں، اور خدا تعالیٰ کا ایسے شخص کو نبی معین کرنے میں اُن کی موافقت نہ کرنا جس کی پیغمبری کے وہ خواہش مند ہیں، یا فرشتہ کو پیغمبر نہ بنانا یا ہر کسی پر وحی نازل نہ کرنا ایک ایسی کلی مصلحت کی بِنا پر ہے، جس کے ادراک سے اُن لوگوں کا علم و فہم قاصر ہے۔

اور چونکہ مکلفین اکثر مشرک تھے۔ اس لئے ان مضامین کو بہت سورتوں میں مختلف طریقوں اور نہایت تاکیدات کے ساتھ ثابت فرمایا۔ اور ان باتوں کے بار بار اعادہ کرنے میں کوتاہی نہیں کی۔ لاریب حکیم مطلق کا خطاب ان جاہلوں کے لئے ایسا ہی ہونا چاہیئے تھا۔ اور ان بے عقلوں کے مقابلے میں اُنہیں شدید تاکیدات کی ضرورت تھی۔" ذلک تقدیر العزیز العلیم"۔

یہودی توریت پر ایمان رکھتے تھے اور اُن کی بے راہی احکام توریت میں عام تحریف لفظی یا معنوی تھی۔ نیز بعض آیات کو چھپانا۔ یہ افترا پردازی کہ جو احکام توریت میں نہ تھے، اُس میں ملانا۔ نیز اُن احکام کی پابندی و اجرا میں تساہل اور تعصب مذہبی میں شدت۔ ہمارے پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم کی رسالت میں تامل۔ اور بے ادبی اور طعنہ زنی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم بلکہ خدا تعالےٰ کی شان میں۔ اور اُن کا بُخل و حرص میں مبتلا ہونا وغیرہ وغیرہ۔

---

[۱] ہم نے تم سے پہلے جو رسول بھیجے، وہ اشخاص ہی تھے۔ جن پر ہم نے وحی کی۔

[۲] کافر کہتے ہیں کہ تم رسول نہیں ہو، تم اُس کے جواب میں کہہ دو کہ میرے اور تمہارے درمیان خدا گواہ ہے اور جس کے پاس آسمانی کتابوں کا علم ہے۔

[۳] اے پیغمبر کہہ دو کہ میں مثل تمہارے انسان ہوں مگر یہ کہ مجھ پر وحی کی جاتی ہے۔

[۴] کسی انسان کی یہ مقدور نہیں کہ خدا اُس کے ساتھ کلام کرے مگر بطور وحی کے۔

یہودی تحریف لفظی توریت کے ترجمہ وغیرہ میں کیا کرتے تھے نہ کہ اصل توریت میں۔ کیوں کہ فقیر کے نزدیک ایسا ہی محقق ہوا ہے۔ اور ابنِ عباس کا بھی یہی قول ہے۔ اور تحریف معنوی تاویل فاسد کا نام ہے۔ یعنی سینہ زوری اور راہِ مستقیم سے انحراف کر کے کسی آیت کو اُس کے اصل معنی کے خلاف پر حمل کرنا۔

اس کی مثال یہ ہے کہ ہر مذہب میں درمیان فاسق دین دار اور کافر منکر مذہب کے فرق بیان کیا گیا ہے۔ مثلاً کافر کے لئے مانا گیا ہے کہ وہ عذابِ شدید میں ہمیشہ مبتلا رہے گا اور فاسق کے لئے جائز دکھا گیا ہے کہ وہ انبیاء علیہم السلام کی شفاعت سے دوزخ میں سے نکالا جائے گا۔ اور اس آخری حکم کے اثبات کے وقت ہر ایک مذہب نے اپنے پیرو کے نام کی تصریح کی ہے۔ مثلاً توریت میں یہودی اور عبری کو یہ مرتبہ بخشا گیا ہے اور انجیل میں نصرانی کو۔ اور قرآن مجید میں مسلمانوں کو یہ شرف عطا ہوا ہے۔ اس حکم کا مدار فقط خدا تعالیٰ اور محشر پر ایمان لانے اور اُس رسول کی جو اُن میں مبعوث کیا گیا ہو، تابعداری اور مشروعاتِ مذہبی پر عمل کرنے اور منہیات سے اجتناب کرنے پر ہے۔ اور ہرگز کسی فرقے کی ذاتی خصوصیت نہیں۔ لیکن بایں ہمہ یہودیوں کا گمان ہے کہ جو شخص یہودی یا عبری ہوگا وہ ضرور جنتی ہوگا۔ اور شفاعتِ انبیاء اس کو دوزخ سے نجات دے گی۔ حتیٰ کہ چند روز کے سوا وہ دوزخ میں نہ رہ سکیں گے، گو مدارِ حکم کا وجود نہ ہو۔ اور گو خدا تعالیٰ پر ایمان صحیح طریقہ سے نہ ہو۔ اور آخرت اور رسالت پر ایمان کا اُن کو کچھ بھی ادراک نہ ہوا ہو۔ حالاں کہ یہ محض غلط اور خالص جہالت ہے۔[1]

چونکہ قرآن مجید تمام کتب سابقہ کا محافظ اور اُن کے اشکالات کو واشگاف کرنے والا ہے۔ اس لئے اُس نے اس گرہ کو بھی پوری طرح کھول دیا ہے۔[2] "بلیٰ من کسب سیئۃ واحاطت بہ خطیئتہ فاولٰئک ھم اصحاب النار ھم فیھا خالدون۔"

مثال ثانی۔ ہر مذہب میں اُس زمانے کے مصالح پر نظر (رکھ)، کے احکام بھیجے گئے ہیں اور تشریع یعنی شریعت کا قانون بنانے میں اقوام کی عادات کی موافقت کا لحاظ رکھا گیا ہے اور نہایت تاکید کے ساتھ اُن کے اتباع اور اُن پر ہمیشہ عمل کرنے و اعتقاد رکھنے کا حکم فرمایا ہے۔ اور انہیں میں

---

[1] وقالوا لن تمسنا النار الا ایاما معدودات۔ [2] ہاں جس نے بدی کمائی اور اُس کی خطاؤں نے اُس کو گھیر لیا، تو ایسے ہی لوگ دوزخی ہیں۔ وہ ہمیشہ اُس میں رہیں گے۔

دائمی طور پر انحصارِ حق فرمایا ہے۔ لیکن اس سے صرف یہ غرض ہے کہ فقط اُس زمانہ میں اُن اعمال میں حق منحصر ہے۔ غرضیکہ دوام ظاہری مراد ہے نہ کہ دوام حقیقی۔ یعنی مراد یہ تھی کہ تاوقتے کہ دوسرا نبی مبعوث نہ ہو اور اُس کے چہرۂ نبوت سے پردۂ خفا نہ اُٹھ جائے، یہ احکام واجب العمل رہیں گے مگر اُنہوں نے اس ظاہری دوام سے یہ سمجھا کہ گویا یہودیت ناقابلِ نسخ ہے۔

اور درحقیقت یہودیت کے اتباع کی وصیت کے یہ معنی تھے کہ ایمان اور نیک اعمال کا التزام کیا جائے۔ اور اس مذہب کی کوئی ذاتی خصوصیت ہرگز معتبر نہیں ہے۔ لیکن ان لوگوں نے خصوصیت کا اعتبار کر کے غلطی سے یہ گمان کر لیا کہ حضرت یعقوب علیہ السلام نے اپنی اولاد کو یہودیت ہی کی وصیت فرمائی ہے۔

مثال ثالث۔ خدا تعالیٰ نے ہر ایک ملت میں انبیاء اور اُن کے متبعین کو مقرب اور محبوب کا خطاب عطا کیا اور منکرین کو صفاتِ مبغوضہ سے یاد فرمایا ہے۔ اور ان خطابات میں ایسے الفاظ استعمال کئے گئے ہیں جن کا استعمال ہر ایک قوم میں شائع تھا۔ تو اگر محبوب کے بجائے لفظ ابن ذکر کیا ہو تو کچھ تعجب نہیں۔ اس سے یہودیوں نے یہ گمان کیا کہ یہ عزت صرف یہودی اور عبری اور اسرائیلی کے ناموں کے ساتھ مخصوص ہے۔ اور وہ یہ نہ سمجھ سکے کہ اس سے کامل اتباع اور خضوع اور انبیاء کی بتائی ہوئی سیدھی راہ پر چلنے کے سوا اور کچھ مراد نہیں اور ایسی ہی بہت سی تاویلات فاسد اُن کے قلوب میں راسخ ہو گئی تھیں، جن کو وہ اپنے باپ دادوں سے سنتے چلے آتے تھے۔ قرآن مجید نے ان شبہات کو پوری طرح رفع کر دیا۔

استبعاد رسالت پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم۔ اس کا سبب وہ باہمی اختلاف ہے جو انبیاء علیہم السلام کی عادات اور احوال میں پایا جاتا ہے۔ مثلاً نکاح کے زیادہ یا کم کرنے میں فرق۔ اور اسی کے مثل اور باتیں۔ اور اُن کے شرائع کا باہم اختلاف اور معاملاتِ انبیاء میں سنت اللہ کا اختلاف اور پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم کو حضرت اسماعیل علیہ السلام کی اولاد میں مبعوث فرمانا۔ حالاں کہ اب تک جمہور انبیاء بنی اسرائیل (اولادِ یعقوب) سے ہوتے آئے ہیں۔ وغیرہ وغیرہ۔

اس مسئلے میں حق یہ ہے کہ نبوت دراصل نفوسِ عالم کی اصلاح اور عادات اور عبادات کی درستی کا مرتبہ رکھتی ہے اور نیکی اور بدی کے اُصول کے ایجاد کا منصب نہیں رکھتی۔ قاعدہ کی بات ہے کہ ہر

قوم اپنی عبادات، تدبیرِ منزل اور سیاستِ مدن میں خاص عادات کی پابند ہوتی ہے۔ اگر نبوت اس قوم میں آئے تو وہ اُن کی تمام قدیم عادات کو اکھاڑ کر اُن کی بجائے جدید اُصول قائم نہ کرے گی۔ بلکہ اُس کا یہ کام ہوگا کہ وہ اُن خصائل کو باہم متمیز کر دے جو باقاعدہ اور خدا کی مرضی کے موافق ہوں۔ اُن کو جاری رہنے دے اور جو اُس کے مخالف ہوں، اُن میں بقدرِ ضرورت تغیرات کرے۔

اور تذکیر بآلاء اللہ اور تذکیر بایام اللہ بھی اُسی اسلوب پر کی جاتی ہے جو اُن کے یہاں شائع ہو اور جس سے وہ مانوس ہوں۔ یہی نکتہ ہے جس کے باعث انبیاء کی شریعتیں باہم مختلف ہوگئی ہیں۔ اور اس اختلاف کی مثال اُس طبیب کے اختلاف علاج کے مانند ہے۔ جب کہ وہ دو مختلف الحال مریضوں کی تدبیر کرتا ہے۔ اُن میں سے ایک کے لئے تو سرد دوائیں اور غذائیں تجویز کرتا ہے اور دوسرے کے واسطے گرم غذا اور دوا کا حکم دیتا ہے۔ طبیب کی غرض دونوں جگہ متحد ہے۔ یعنی طبیعت کی اصلاح۔ اور ازالہ مرض کے سوا اُس کو اور کچھ منظور نہیں۔ اور یہ بھی ہو سکتا ہے کہ ہر اقلیم میں وہاں کے باشندوں کے مناسب دوائیں، اور غذائیں الگ الگ تجویز کرتا اور ہر فصل و موسم میں اُس کے مقتضاء کے موافق تدابیر اختیار کرتا ہے۔ اسی طرح جب حکیم حقیقی نے بیمارانِ امراضِ نفسانی کا معالجہ کرنا چاہا۔ اُن کی تقویت طبع اور تقویت ملکہ اور ازالہ مفاسد اُس کو منظور ہوا، تو اُن اقوام اور ان کی عادات کے اختلاف کے باعث اور ہر زمانہ کے مشہورات و مسلمات کی وجہ سے معالجہ مختلف ہو گیا۔

غرضکہ اگر تم اس اُمت میں یہود کا نمونہ دیکھنا چاہو تو اُن علماء سوء کو دیکھ لو جو دنیا کے طالب اور اپنے اسلاف کی تقلید کے خوگر اور کتاب و سنت سے روگردانی کرنے والے ہیں۔ اور جو عالموں کے تعمق اور تشدد یا اُن کے بے اصل استنباط کو سند ٹھہرا کر معصوم شارع کے کلام سے بے پروا ہو گئے ہیں۔ اور موضوع حدیثوں اور فاسد تاویلوں کو اپنا مقتدیٰ بنا رکھا ہے۔

نصاریٰ حضرت عیسیٰ علیہ السلام پر ایمان رکھتے تھے۔ اُن کی گمراہی یہ تھی کہ اُنہوں نے خدائے تبارک و تعالیٰ کو تین ایسے حصوں میں تقسیم کر رکھا تھا، جو بعض وجوہ سے متغایر اور بعض وجوہ سے متحد ہوں۔ اُن حصوں کو وہ اقانیم ثلاثہ کہتے تھے۔ یعنی ایک اقنوم باپ جو اُن کے نزدیک مبدأیتِ عالَم کے ہم معنی تھا۔ اور ایک اقنوم بیٹا جو بمعنی صادرِ اول تھا اور ایک امرِ عام اور تمام موجودات میں

شامل ہے۔ ایک اقنوم روح القدس تھا، جو عقول مجردہ کے ہم معنی۔

اُن کا عقیدہ تھا کہ اقنوم ابن نے حضرت مسیح کی روح کا لباس اختیار کر لیا تھا۔ یعنی جیسا کہ جبرئیل علیہ السلام آدمی کی شکل میں آتے تھے، ایسے ہی ابن نے عیسیٰ علیہ السلام کی صورت میں ظہور کیا تھا۔ اس لئے عیسیٰ علیہ السلام خدا بھی ہیں، ابن اللہ بھی اور بشر بھی، اسی لئے احکاماتِ بشری و خداوندی دونوں اُن کی نسبت جاری ہوتے ہیں۔

اس عجیب عقیدہ میں اُن کا تکیہ انجیل کی بعض ایسی آیتوں پر ہے، جن میں لفظ ابن مذکور ہوا ہے، اور جن میں حضرت مسیحؑ نے بعض افعالِ الٰہیہ کو اپنی جانب منسوب کیا ہے۔

پہلے اشکال کا جواب اس امر کے مان لینے کی صورت میں کہ یہ کلام فی الحقیقت حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا ہے۔ تحریف شدہ نہیں ہے، یہ ہے کہ قدیم زمانے میں لفظ ابن مقرب اور محبوب اور مختار کے ہم معنی تھا۔ چناں چہ اس دعویٰ پر کثرت سے قرائن انجیل میں پاتے جاتے ہیں۔

دوسرے اشکال کا جواب یہ ہے کہ یہ نسبت بطریق نقل وحکایت ہے۔ مثلاً کسی بادشاہ کا ایلچی اُس کے کلام کو یوں نقل کرے کہ ہم نے فلاں ملک فتح کیا۔ فلاں قلعہ توڑا۔ اس صورت میں ظاہر ہے کہ ایلچی ترجمان سے زیادہ وقعت نہیں رکھتا۔ اور ممکن ہے کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام پر وحی کا یہ طریقہ ہو کہ عالَم بالا سے اُن کے لوحِ دل پر مضامین خود منقش ہو جاتے ہوں اور حضرت جبرئیل علیہ السلام صورتِ انسانی میں آکر کلام القا نہ فرماتے ہوں۔ اس لئے اس نقش کی وجہ سے عیسیٰ علیہ السلام سے وہ کلام صادر ہوا ہوگا، جس میں افعالِ الٰہیہ کو اپنی جانب نسبت کرنے کا اشارہ ہو۔

بالجملہ خدا تعالےٰ نے اس باطل مذہب کا رَدّ فرمایا اور کہا کہ عیسیٰ خدا کا بندہ اور اُس کی وہ پاک رُوح ہے، جس کو اُس نے مریم صدیقہ کے رِحم میں ڈالا۔ اور اُس کی روح القدس سے تائید فرمائی۔ نیز خاص عنایتیں اُس پر کیں۔

اگر اس گروہ کا نمونہ اپنی قوم میں دیکھنا چاہو تو آج اولیا اللہ اور مشائخ کی اولاد کو دیکھ لو کہ وہ اپنے آبار کے حق میں کس قسم کے خیالات رکھتے ہیں۔ اور اُن کو کہاں تک طول دیا ہے:

"وسیعلم الذین ظلموا ای منقلبٍ ینقلبون"

منافقین دو قسم کے تھے ۔ ایک وہ جو زبان سے کلمۂ ایمان کہتے تھے ، مگر اُن کا قلب کفر اور سرکشی پر پختہ تھا ۔ اور کفر و جحود اُن کے دل میں چھپے ہوئے تھے ۔ ایسے لوگوں کے حق میں " فی الدرك الاسفل من النار[1] " آیا ہے ۔

دوسرا گروہ جس نے اسلام قبول کیا مگر اُن کا ایمان ضعیف تھا ۔ مثلاً وہ اپنی قومی خصائل و عادات کے پابند تھے ۔ اگر اُن کی قوم کے لوگ مسلمان ہوں تو یہ بھی مسلمان ہو جاتے ہیں ۔ اور وہ کافر ہے تو یہ بھی کافر رہتے ہیں ۔ یا مثلاً دنیاوی لذات کا اتباع اُن کے قلوب میں بھر گیا ہے کہ اُس نے خدا اور اُس کے رسول کی محبت کے لئے جگہ ہی نہیں باقی رہنے دی ۔ یا حرص مال اور حسد و کینہ وغیرہ اُن کے دلوں پر اس قدر مسلط ہو گیا تھا کہ اُس نے اُن کے دلوں میں مناجات کی حلاوت اور عبادت کی برکات کے لئے جگہ نہیں چھوڑی تھی ۔ یا مثلاً اُمور دنیا میں وہ ایسے منہمک ہو گئے تھے کہ اُن کو معاد کی اُمید اور اُس کے لئے فکر کرنے کی فرصت تک باقی نہ رہی تھی ۔ یا مثلاً ہمارے پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم کی رسالت کی نسبت بیہودہ خیالات اور رکیک شبہات اُن کے قلوب میں گزرتے تھے ۔ باوجود اس کے ، وہ اس حد تک نہ پہنچتے تھے کہ اسلامی طوق کو گردن سے نکال کر اس کش مکش سے صاف نکل جائیں ۔

منافقین کے ان شبہات کا سبب یہ ہوا کہ ہمارے پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم میں بشری احکام پائے جاتے اور اسلام کا ظہور شاہی غلبہ وغیرہ کی صورت میں ہوا ۔ یا اُن کو اپنے قبائل اور گھرانوں کی محبت نے اُن کی امداد ، تقویت اور تائید پر ایسا ثابت قدم رکھا کہ گو اہلِ اسلام کے خلاف ہی کیوں نہ ہو ، مگر وہ سعی بلیغ کر کے اسلام کو ضعف پہنچاتے تھے ۔

نفاق کی یہ دوسری قسم نفاق عمل اور نفاق اخلاق ہے ۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد اب نفاق کی پہلی صورت کا علم نہیں ہو سکتا ۔ کیوں کہ وہ منجملہ علم غیب ہے ۔ اور ظاہر ہے کہ دلوں کے مخفی خیالات کی اطلاع نہیں ہو سکتی ۔ اور نفاق ثانی کثرت سے پایا جاتا ہے خصوصاً ہمارے زمانے میں ۔ حدیث میں جو علامات مذکور ہیں ، وہ اسی نفاق کی جانب اشارہ ہے " ثلثٌ من کن فیہ کان منافقاً اذا حدث

---

[1] دوزخ کے نچلے حصے میں ہوں گے ۔

كذب واذا وعد اخلف واذا خاصم فجر[1] اور "همّ المنافق بطنه وهمّ المومن فرسه"[2] الى غير ذلك من الاحاديث۔

خدا تعالےٰ نے ایسے منافقوں کے اخلاق و اعمال کو قرآن مجید میں خوب آشکارا کیا ہے۔ اور ان ہر دو گروہوں کے احوال بکثرت بیان فرمائے ہیں تاکہ تمام اُمت اُن سے احتراز کرے۔

اگر تم کو ان منافقین کے نمونہ کے دیکھنے کا شوق ہے تو امراء کی مجالس میں جاکر اُن کے مصاحبین کو دیکھ لو جو امراء کی مرضی کو شارع کی مرضی پر ترجیح دیتے ہیں۔ اور انصاف کی رُو سے ایسے منافقین میں جنہوں نے رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم سے بلا واسطہ کلام سُن کر نفاق اختیار کیا، اور اُن میں جو اب پیدا ہوئے، مگر انہوں نے یقینی ذرائع سے احکام شارع کی اطلاع پاکر مخالفت اختیار کی، کوئی فرق نہیں ہے۔ علیٰ ھذا القیاس۔ معقولیوں کی وہ جماعت بھی جن کے دلوں میں بہت سے شکوک اور شبہات پیدا ہو گئے ہیں، اور جنہوں نے معاد کو نسیاً منسیا کر دیا ہے گروہِ منافقین میں داخل ہے۔

(یہود، نصاریٰ، مشرکین اور منافقین کے اوصاف و خصائل بیان کرنے کے بعد شاہ ولی اللہؒ لکھتے ہیں)۔

بالجملہ قرآن مجید کی تلاوت کے وقت یہ گمان نہ کرنا چاہیئے کہ اُس میں مباحثہ ایک خاص قوم سے تھا جو گزر چکی۔ بلکہ بمصداق حدیث "لتتبعن سنن من قبلكم" زمانہ نبوی میں کوئی بلا نہ تھی مگر یہ کہ اُس کا نمونہ آج بھی موجود ہے۔ اس لئے مقصود اصلی اُن مقاصد کے لئے کلیات کا بیان ہے نہ کہ اُن حکایات کی خصوصیات۔

جاننا چاہیئے کہ قرآن مجید کا نزول انسان کی مختلف جماعتوں کی تہذیب کے لئے خواہ عربی ہوں یا عجمی شہری ہوں یا بدوی ہوا ہے۔ بدیں وجہ حکمتِ الٰہی اس امر کو مقتضی ہوئی کہ تذکیر بآلاء اللہ میں اکثر افراد بنی آدم کی معلومات سے زیادہ بیان نہ کرے اور زیادہ بحث و تحقیق سے کام نہ لے۔ اور اسماء اور صفاتِ الٰہی کو ایسے سہل طریقہ

---

[1] تین خصلتیں ہیں، جس میں یہ پائی جائیں، وہ خالص منافق ہوگا۔ جب بات کرے تو جھوٹ بولے۔ جب وعدہ کرے تو اُس کے خلاف کرے اور جب جھگڑا کرے تو گالی بکے۔

[2] منافق صرف اپنے پیٹ کی فکر کرتا ہے اور مومن اپنے گھوڑے کی فکر رکھتا ہے۔

سے بیان فرمایا کہ افراد انسانی بغیر مہارت حکمت الٰہی اور بدون مزاولت علم کلام کے صرف اُس فہم و ادراک کے ذریعہ سے جو اصل فطرت میں اُن کو عطا ہوا ہے، بخوبی سمجھ سکیں۔ اس ذات مبدار (خالق) کا اثبات اجمالاً فرمایا کیوں کہ اس کا علم تمام افراد بنی آدم کی فطرت میں ساری ہے ....

اور آلاء اللہ اور آیاتِ قدرت میں سے صرف وہی باتیں بیان کی گئی ہیں جن کو شہری، بدوی اور عرب و عجم یکساں طور پہ سمجھ سکیں۔ لہٰذا نفسانی نعمتیں جو اولیاء اور علماء کے ساتھ مخصوص ہیں اور ارتفاقی[1] لذتیں جو صرف بادشاہوں کا حصہ ہیں، ذکر نہیں فرمائی گئیں ...... اور اکثر مقامات میں ہجوم مصائب اور اُن کے دُور ہونے کے وقت لوگوں کے رویہ کے بدل جانے پر اکثر مقامات میں تنبیہہ فرمائی ہے۔ اس لئے کہ یہ امراضِ نفسانی میں سے کثیر الوقوع ہے۔

اور ایام اللہ یعنی وہ واقعات جن کو خداوند تعالیٰ نے ایجاد فرمایا ہے۔ مثلاً فرماں برداروں کے لئے انعام اور نافرمانوں کے لئے عذاب، اُن میں سے ایسی جزئیات کو اختیار فرمایا کہ جو پیشتر سے اُن کے گوش زد ہو چکی تھیں۔ اور وہ اجمالی طریقہ سے اُن کا تذکرہ سُن چکے تھے۔ مثلاً قوم نوح و عاد و ثمود کے قصے جن کو عرب اپنے باپ دادا سے مسلسل سنتے آئے اور حضرت ابراہیم اور انبیاء بنی اسرائیل کی مختلف داستانیں جن سے بوجہ یہود اور عرب کے قرن ہا قرن کے اختلاط کے ان کے کان آشنا تھے۔ نہ تو غیر مشہور اور غیر مانوس قصوں کو بیان کیا اور نہ فارس و یہود کی جزا و سزا کے واقعات کی خبریں دیں۔ اور مشہور قصوں میں سے بھی صرف اُن ضروری حصوں کو جو تذکیر میں کار آمد ہوں، ذکر فرمایا ہے۔ اور تمام قصوں کو اُن کی تمام خصوصیات کے ساتھ بیان نہیں کیا۔ اس میں حکمت اور مصلحت یہ ہے کہ عوام الناس جب کوئی عجیب و غریب داستان سنتے ہیں یا کوئی داستان اپنی تمام خصوصیات کے ساتھ اُن کے سامنے بیان کی جاتی ہے تو اُن کی طبیعت محض اس داستان کی طرف مائل ہو جاتی ہے اور تذکیر کا مقصد جو داستان کے بیان کرنے کی اصل غرض ہے۔ فوت ہو جاتا ہے۔

مباحث احکام کے لئے قاعدہ کلیہ یہ ہے کہ چوں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ملتِ حنیفی (ابراہیمی)

---

[1] الارتفاق التدبیر النافع

پر مبعوث ہوئے ہیں، اس لئے اُس ملت کے طریقوں کا باقی رکھنا ضروری ہے تاکہ اُس کے اُمہات مسائل میں سوا تخصیص تعیینات اور اوقات و حدود کی زیادتی وغیرہ کے اور کسی قسم کے تغیرات کا گزر نہ ہو سکے۔ اور چونکہ عرب کو آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے ہاتھ سے اور باقی تمام اقالیم کو عربوں کے ہاتھ سے پاک کرنے کا ارادہ فرمایا ہے، اس لئے ضروری ہوا کہ شریعتِ محمدیؐ کا مواد اُنہیں کی رسوم و عادات سے لیا جائے۔ اگر کوئی شخص ملتِ حنیفی کے جملہ احکام اور عربوں کے رسوم و عادات دیکھے اور پھر شریعتِ محمدی صلے اللہ علیہ وسلم پر جو کہ اصلاح و تکمیل کا رتبہ رکھتی ہے، ایک غائر نظر ڈالے تو وہ ہر ایک حکم کے لئے کوئی سبب اور ہر امر و نہی کے لئے کسی خاص مصلحت کا ادراک کرے گا۔

غرضکہ ملتِ ابراہیمی کی تمام عبادات میں خواہ وہ طہارت ہو یا نماز، روزہ ہو یا زکوٰۃ، حج ہو یا ذکر۔ ایک فتورِ عظیم برپا ہو گیا تھا۔ کیوں کہ اُس کے احکام کے اجرا میں تساہل برتا جاتا تھا۔ اور بوجہ اکثر آدمیوں کے ناواقف ہونے کے باہم اختلاف کرتے تھے۔ اور اہلِ جاہلیت نے ان میں تحریف کر دی تھی۔

قرآن مجید نے اس تمام بدنظمی کو دُور کر کے کامل اصلاح اور درستی کی۔ تدبیرِ منزل کے قواعد میں بھی نقصان وہ رسوم اور ظلم و سرکشی نے بُری طرح دخل پا لیا تھا۔ اور احکام سیاست مدن بھی بالکل مختل ہو چکے تھے، قرآن مجید نے اکراُن کے اُصول کو بھی منضبط کیا۔ اور اُن کی پوری حد بندی فرمائی۔ اس قسم کے انواع کبائر اور بہت سے صغائر مذکور ہوئے ہیں۔

مسائل نماز کا اجمالی ذکر کیا گیا۔ اور لفظ اقامت الصلوٰۃ بولا گیا ہے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اذان و جماعت اور اوقاتِ نماز اور بناءِ مساجد سے اس کی تفصیل فرمائی ہے۔

مسائل زکوٰۃ بھی مختصر طریقہ سے ذکر کئے گئے جن کی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے تفصیل فرمائی ہے۔ روزہ سورہ بقرہ میں اور حج کعبہ سورہ بقرہ اور سورہ حج میں مذکور ہوا۔ جہاد کا سورہ بقرہ اور انفال اور دوسرے متفرق مقامات پر۔ حدود کا سورہ المائدہ اور سورہ النور میں۔ میراث کا سورہ النساء میں۔ نکاح اور طلاق کا سورہ بقرہ اور سورۃ الطلاق وغیرہ میں کیا گیا ہے۔

جاننا چاہیئے کہ قرآن مجید ٹھیک ٹھیک بلا کسی تفاوت کے محاورہ عرب کے موافق نازل ہوا۔ اور اہلِ عرب

اپنی زبان کے سمجھنے میں جو سلیقہ رکھتے تھے اُس سے قرآن مجید کے معنی منطوق کو سمجھ لیتے تھے۔ چنانچہ خدا تعالےٰ نے فرمایا ہے۔ والکتاب المبین۔ قرآناً عربیاً لعلکم تعقلون اور احکمت آیاتہ ثم فصلت۔ شارع کی یہ مرضی ہے کہ متشابہاتِ قرآنی کی تاویل اور صفاتِ خداوندی کے حقائق کی صورت آفرینی اور مبہمات کی تعیین اور قصوں کی تفصیل میں غور و خوض نہ کیا جائے یہی وجہ ہے کہ صحابہ رضوان اللہ علیہم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی جناب میں سوالات کم پیش کرتے تھے۔ اور یہی وجہ ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے سلسلہ سوالات کچھ کم ہی منقول ہوا ہے، لیکن جب کہ اس طبقہ کا دور گذر چکا اور علومِ تفسیر میں عجمیوں نے دخل دینا شروع کیا۔ نیز وہ پہلی زبان بھی متروک ہوگئی تو اس وقت بعض مقامات پر شارع کی مراد سمجھنے میں دشواری پیدا ہوئی۔ اور ضرورت پڑی کہ لغت اور علم نحو کی چھان بین کی جائے اور سوال وجواب کا سلسلہ شروع ہوا۔ اور تفسیر کی کتابیں شروع ہوئیں۔

قرآن مجید کو مثل معمولی کتابوں کے ابواب اور فصول میں اس طرح مرتب نہیں کیا گیا کہ ہر مبحث ایک جداگانہ باب یا فصل میں بیان کیا جاتا، بلکہ قرآن مجید کو مثل مجموعہ مکتوبات کے فرض کرنا چاہیئے۔ جس طرح کہ بادشاہ اپنی رعایا کو حسبِ ضرورتِ وقت ایک فرمان لکھتے ہیں۔ اُس کے بعد دوسرا اور تیسرا فرمان لکھتے ہیں۔ یہاں تک کہ بہت سے فرمان جمع ہو جاتے ہیں اور کوئی شخص ان کو جمع کر کے ایک مجموعہ مرتب کر دیتا ہے۔ اسی طرح اُس بادشاہِ علی الاطلاق نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر بندوں کی ھدایت کے لئے حسبِ ضرورتِ وقت قرآن مجید کی سورتیں یکے بعد دیگرے نازل فرمائیں۔ حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ مبارک میں ہر ایک سورۃ جداگانہ مرتب اور محفوظ تھی۔ آپ نے ان کو مدون نہیں فرمایا تھا۔ حضرت ابوبکر اور حضرت عمر رضی اللہ عنہما کے زمانہ میں تمام سورتیں ایک جلد میں ایک خاص ترتیب کے ساتھ جمع کی گئیں۔ اور یہ مجموعہ مصحف کے نام سے موصوف ہوا۔ صحابہ رضی اللہ عنہم کے درمیان قرآن مجید کی سورتیں چار قسموں پر منقسم تھیں۔ اوّل طوال جو سب سے بڑی سورتیں ہیں۔ دوم مئین جن میں سے ہر ایک کی سو آیتیں یا سو سے کچھ زیادہ ہیں۔ سوم مثانی جن کی آیتیں سو سے کم ہیں۔ چہارم مفصل۔ قرآن مجید کی ترتیب میں دو تین سورتیں جو مثانی کی قسم سے تھیں، وہ مئین میں داخل کی گئیں اس لئے کہ اُن کا سیاق مئین کے سیاق سے مناسبت رکھتا تھا۔ علیٰ ہذا القیاس بعض اقسام میں کسی قدر اور بھی تصرف کیا گیا۔ حضرت

عثمان رضی اللہ عنہ نے اس مصحف کے مطابق چند نسخے لکھوا کر اطراف میں بھیج دیئے تاکہ مسلمان ان سے فائدہ اُٹھادیں اور کسی دوسری ترتیب کی طرف مائل نہ ہوں ۔

اگر پوچھا جائے کہ قرآن مجید کا اعجاز کس وجہ کے اعتبار سے ہے ۔ اس کا جواب یہ ہے کہ ہمارے نزدیک ثابت ہے کہ اعجاز قرآن کے بہت سے وجوہ ہیں ، جن میں سے بعض بیان کیے جاتے ہیں :

اوّل ۔ اسلوب بدیع ...... دوئم ۔ گزشتہ تواریخ اور اُمم سابقہ کے احکام کی بغیر پڑھے لکھے ایسی تفصیل بیان کرنا جو کتب سابقہ کے مصدق ہو ۔ سوئم پیش گوئیاں ۔ ان پیش گوئیوں میں سے جو واقعہ ظہور پذیر ہوگا اعجاز تازہ ہوگا ۔ چہارم بلاغت کا وہ مرتبہ جو کہ انسانی طاقت سے بالاتر ہے ......

اگر کوئی ھمارے بیانِ بالا کو نہ سمجھا ہو تو اُس کو چاہیئے کہ انبیاء کے اُن قصوں میں جو کہ سورۃ الاعراف ، ہُود والشعراء میں واقع ہیں ، اوّل تامل کرے اور پھر اُنہیں قصوں کو سورۃ الصافات میں اور بعد ازاں الذاریات میں دیکھے تاکہ باہمی فرق اسلوب منکشف ہوجائے .... ہم یہ بھی جانتے ہیں کہ مقتضائے حال اور استعارات وکنایات کی رعایت جن کی تفصیل علم معانی و بیان میں ہے ۔ اور اس کے ساتھ مخاطبین کی حالت کی رعایت ، جو کہ محض اَن پڑھ اور ان فنون سے ناآشنا تھے ، جس قدر قرآن مجید میں موجود ہے ۔ اُس سے بہتر ما فوق متصور نہیں ہوسکتی ۔

منجملہ وجوہ اعجاز کے ایک وجہ ایسی ہے جس کو سوائے ان لوگوں کے ، جو اسرار شریعت میں تدبر اور تفکر کرتے ہیں ، کوئی نہیں سمجھ سکتا ۔ اور وہ یہ ہے کہ یہ علوم پنجگانہ ہدایت انسانی کی رُو سے خود قرآن شریف کے من جانب اللہ ہونے کی دلیل ہیں ۔ اس کی ایسی مثال ہے کہ کوئی طبیب حاذق کسی ایسی طب کی کتاب کو دیکھے ، جس میں امراض کے اسباب و علامات اور ادویہ کے خواص کی تحقیقات نہایت اعلیٰ پیمانے پر کی گئی ہو تو اس بات میں کسی قسم کا شک نہیں ہوسکتا کہ اُس کا مؤلف فنِ طب میں نہایت کامل ہے ۔ ایسے ہی اسرار شرائع کا عالم خوب واقف ہے کہ تہذیب نفس کے لئے کیا کیا چیزیں انسان کو تعلیم کی جاسکتی ہیں ۔ اس کے بعد اگر علوم پنجگانہ میں وہ غور کرے گا تو اُس کو بغیر کسی قسم کے شک کے معلوم ہوجائے گا کہ یہ علوم اپنے معانی کے اعتبار سے اُس اعلیٰ مرتبہ پر واقع ہوئے ہیں ، جن پر اضافہ قطعاً محال ہے ۔

آفتاب آمد دلیلِ آفتاب　　　گر دلیلت باید از وے رو متاب